اغنیاء کے اموال میں فقراء کا حق

حافظ محمد سعد اللہ، نائب مدیر

مندرجہ بالا عنوان کی وضاحت اور اس عنوان میں درج دعویٰ کے اثبات سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مال و دولت کی جو اضافت اغنیاء اور دولت مندوں کی طرف ہے شرعی نقطہ نگاہ سے اس کی اصلیت کیا ہے اور کسی بھی چیز پر انسان کی ملکیت اور اس کے تصرف کی اسلام میں حقیقت کیا ہے؟ بعد ازیں اس چیز کا جائزہ لیں گے کہ شریعت نے اغنیاء کے مال میں فقراء کا حق کیوں اور کن مصالح کے تحت رکھا ہے؟ کن حالات میں رکھا ہے؟ اور یہ حق اغنیاء کے مال سے کس طرح اور کن شکلوں میں وصول کیا جائے گا۔

مال و دولت اور ملکیت کی حقیقت

شریعت اسلامیہ کے اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق مال و دولت خواہ کسی شکل میں ہو، اللہ کریم کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ کائنات کی کوئی چیز حتیٰ کہ اس کا ایک حقیر ذرہ بھی بنیادی طور پر انسان کی ملک نہیں۔ دوسری اشیاء کا کیا ذکر خود اپنی ذات پر بھی انسان کو اس قسم کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں کہ وہ اپنے جسم و جان کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ اس کے مالکانہ حقوق جن چیزوں پر بھی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے ہیں۔ اس کی اپنی جان، جسم اور قوتیں، زمین کھیت گھر بار اس کا سارا مال اور اس کی تمام املاک اللہ کی طرف سے اسے امانتاً سپرد کی گئی ہیں۔ وہ ہر قسم کے اموال و مقبوضات کا امین اور کیشیئر ہے نہ کہ خود مختار مالک۔ اپنے قبضے میں کل مال و دولت اور جملہ

اشیاء پر اس ملکیت مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔

سورۃ المؤمنون میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ[1]

"(اے محبوب!) آپ پوچھیں کہ زمین اور اس کی ساری موجودات کس کی ملک ہیں؟ بتاؤ اگر تمہیں علم ہے تو وہ جواب دیں گے سب کچھ اللہ کا ہے"

پھر تھوڑا سا آگے چل کر فرمایا:

قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ..... سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ[2]

"پوچھیے کہ ساری چیزوں کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے..... تو وہ کہیں گے کہ اللہ کے ہاتھ میں"

سورۃ بقرہ میں فرمایا:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ[3]

"اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"

سورۂ نور میں ارشاد ربانی ہے:

وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِي آتَاكُمْ[4]

"اور انہیں (غلاموں کو) اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے"

یہاں مال کی اضافت اللہ کی طرف کر کے یہ حقیقت تازہ اور ذہن نشین کرا دی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب؟ جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ ہی کا تو ہوگا۔

القرآن يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا "قرآن کا بعض خود اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے"

---

[1] سورۃ المؤمنون: ۸۴-۸۵

[2] ایضاً آیت ۸۸

[3] سورۃ البقرہ: ۲۸۴

[4] سورۂ نور: ۳۳

کے مطابق اس کی وجہ بھی قرآن مجید نے ایک دوسری جگہ بڑے منطقی اور عقلی انداز میں بتا دی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ عمل پیدائش میں اپنی کوشش صرف کرے لیکن اس کوشش کو بار آور کرنا اور اس سے پیداوار کا مہیا کرنا خدا کے سوا کون کر سکتا ہے؟ انسان کے بس میں اتنا ہی تو ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈال دے پھر اس بیج کو کونپل اور کونپل کو درخت بنانا تو کسی اور ہی کا کام ہے۔ ارشاد ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝

"اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم ہیں (اسکے) اگانے والے"

ظاہر ہے زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشو نما دے سکے، دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت ان سب کو قوت سے فعل میں لانا۔ مناسب وقت پر مناسب مقدار میں بارش، اوقات مقررہ پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش غرض نظامِ زراعت کی ساری مشینری اور عوامل کو حرکت میں لانا اللہ کا کام ہے نہ کہ بندے کا۔

سورۂ یٰس شریف میں ہے:

لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝[2]

"(ہم نے زمین میں چشمے جاری کئے) تاکہ وہ درختوں کے پھل کھائیں حالانکہ یہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے سو کیا وہ شکر نہیں کرتے"

اس آیت کریمہ میں "وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ" کا جملہ بڑا قابلِ غور ہے۔ ساری دنیا خدائی قدرت و انتظام سے الگ ہو کر، اگر مل کر بھی کوشش کرے کہ تخم ریزی و آبپاشی کے نتائج غلہ، پھل وغیرہ کی شکل میں حاصل کرے تو ممکن نہیں۔ یقیناً ان مسببات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص قدرت خداوندی ہے۔ اس اظہر من الشمس حقیقت

---

[1] سورۃ الحدید: ۶۳-۶۴

[2] سورۃ یٰس: ۳۵

کا بھی انسان اگر اعتراف نہ کرے تو اس سے بڑھ کر منعم حقیقی کی ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔

ملکیت بطور نائب

پھر سورۃ الحدید کی ایک آیت میں بالکل واضح اور صاف صاف لفظوں میں فرما دیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے۔ اس میں اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ اصل مالک کی۔ فرمایا:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ[1]

"اور اس مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں (اپنا) نائب و خلیفہ بنایا ہے۔

مندرجہ بالا آیات بالخصوص سورۃ الحدید کہ یہ آیت اس باب میں واضح نص ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، زر، زمین، منقولہ و غیرہ منقولہ املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے انسان محض نائب کے طور پر ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے نائب و خلیفہ کا تصرف انہی حدود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو مالک حقیقی نے مقرر کر دیے ہوں۔ نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل مالک کے ہوں اور اسے ان ذمہ داریوں کو بھی ادا کرنا ہوگا جو مالک نے اس پر عائد کی ہیں۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے:

ان الاموال التی فی ایدیکم انما ھی اموال اللہ بخلقہ وانشائہ لھا ثم انہ تعالیٰ جعلھا تحت ید المکلف وتحت تصرفہ لینتفع بھا علی وفق اذن الشرع فالمکلف فی تصرفہ فی ھذا الاموال بمنزلۃ الوکیل والنائب والخلیفۃ فوجب ان یسھل علیکم الانفاق من تلک الاموال کما یسھل علی الرجل النفقۃ من مال غیرہ اِذَا اذن لہ فیہ[2]

"بیشک وہ تمام اموال جو تمہارے ہاتھوں (قبضے) میں ہیں بلاشبہ وہ اللہ کے اموال

---

[1] سورۃ الحدید: ۷

[2] امام فخر الدین رازی: تفسیر کبیر ج ۲۹ ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر

ں کیونکہ اسی نے ان کو پیدا فرمایا ہے پھر اس نے ان اموال کو مکلف (انسان) کے ہاتھ اور تصرف میں کر دیا تاکہ وہ (انسان) ان سے شریعت کے اذن کے مطابق نفع اٹھائے پس انسان ان اموال کے اندر اپنے تصرف میں بمنزلہ وکیل نائب اور خلیفہ کے ہے جب ملکیت کی حقیقت یہ ہے تو ضروری ہے کہ تم پر ان اموال میں سے خرچ کرنا آسان ہو جیسا کہ آدمی پر اپنے غیر کے مال میں سے خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب کہ وہ اسے اس میں سے خرچ کرنے کی اجازت دے۔

آزاد اور خود مختار ملکیت کی مذمت

مال و دولت کی اصل حقیقت جب معلوم ہو گئی تو پتہ چلا کہ شریعت میں انسان کے مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف اشیاء پر "ملکیت" تو حاصل ہے مگر یہ ملکیت آزاد خود مختار اور بے لگام نہیں۔ اس پر دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود اور پابندیاں عائد ہیں مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو پوری طرح آزاد سمجھنا گمراہ قوموں اور بگڑے ہوئے افراد کا شعار قارونی فکر اور غیر مؤمنانہ سوچ ہے۔ قرآن مجید نے قوم حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس سوچ اور نظریے کا مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور اس طرح تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بد دیانتی کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو انہوں نے کہا۔

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا[1]

"اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اسی بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کر دیں۔

---

[1] سورۃ ہود : ۸۷

یہ لوگ چونکہ "اموال" کو حقیقتہً "اپنا" (اموالنا) سمجھتے تھے اس لیے "نَفْعَلُ مَا نَشَاءُ" (جو چاہیں کریں) کا دعویٰ اور سوچ اس کا لازمی نتیجہ تھا یہی فکر سرمایہ داری کی روح ہے اور قرآن کریم نے جیسا کہ پیچھے گزر چکا، سورۂ نور میں اپنے اموال "اموالنا" کے لفظ کو "مال اللہ" (اللہ کا مال) کے الفاظ سے بدل کر سرمایہ دارانہ سوچ کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے مگر اس کے ساتھ ہی "الَّذِیْ اٰتَاکُمْ" (جو اس نے تمہیں دیا ہے) فرما کر اشتراکیت کی جڑ بھی کاٹ دی ہے جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے اس کے برعکس اسلام اموال پر انسان کی ملکیت کا قائل تو ہے مگر بے لگام اور آزاد ملکیت کا نہیں۔ اسلام میں اس پر مال و دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ پابندیاں عائد ہیں جس جگہ وہ اس دولت کو خرچ کرنے کا حکم دے وہاں اس کے لیے ایک نائب اور امین کی طرح خرچ کرنا لازمی ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت فرمادے وہاں رک جانا ضروری ہے۔

قرآن مجید قارون کا قصہ سنا کر آگاہ کرتا ہے کہ دنیوی مال و متاع کو الٰہی ہدایت سے بے نیاز ہو کر برتنے کا انجام بہت برا ہے۔ ذیل کی آیات اس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہیں جس کو شریعت مٹانا چاہتی ہے اور ساتھ ہی ان آیات میں مطلوبہ ذہنیت کی طرف رہنمائی بھی ہے۔

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ إِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔

"بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم کا فرد تھا لیکن اس نے ان کے خلاف متکبرانہ روش اختیار کی۔ ہم نے اسے اتنے خزانے عنایت فرمائے تھے کہ اس کی

لہ سورۃ القصص : ۷۶-۷۸

کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو گرانبار کر دیتی تھیں۔ (اس کے استکبار کا یہ عالم تھا کہ) جب اس کی قوم نے اس سے کہا "اترا مت اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جو کچھ اللہ کریم نے تجھے عطا فرما رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت (کی بھلائی) طلب کر اور اس دنیا سے (بھی) اپنا حصّہ نہ بھول۔ جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی (دوسرے انسانوں کے ساتھ) احسان کر۔ اور زمین میں (اپنے اس رویے سے) فساد نہ چاہ بلاشبہ اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ تو وہ بولا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اپنے ذاتی علم و لیاقت اور ہنرمندی کی بنا پر ہی ملا ہے۔

اس آیت نے اسلام کے فلسفۂ ملکیت کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے کہ

(ا) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے (اٰتٰکَ اللّٰہُ)۔

(ب) چونکہ مال و دولت اللہ کا دیا ہوا ہے لہٰذا اس پر انسان کا تصرف حکم خداوندی کے تابع ہوگا۔ اب حکم خداوند کی دو شکلیں ہیں۔

ایک یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کچھ حصّہ کسی دوسرے کو دیدے۔ اس کی تعمیل اس لیے ضروری ہے کہ اللہ نے اس پر احسان کیا ہے تو وہ اسے دوسرے ضرورتمندوں اور حاجتمندوں پر احسان کا حکم دے سکتا ہے (وَ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ۔

دوسری شکل یہ ہے کہ وہ انسان کو اس دولت کے تصرف سے روک دے اس کا بھی اس کو اختیار ہے کیونکہ وہ اسے دولت کے کسی ایسے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں اور زمین و معاشرے میں شر و فساد پھیلے (وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ)۔

معیشت میں انصاف اور مواسات نہ کہ مساوات

قبل اس کے کہ یہ عرض کیا جائے کہ اغنیاء کے مال و دولت میں مال و دولت کے اصل اور حقیقی مالک (اللہ) نے غرباؤ مساکین مفلسوں یتیموں، اپاہجوں ضرورت مندوں حاجتمندوں یتیموں بیواؤں محروم المعیشت لوگوں اور معاشی زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کا لازمی حق رکھا

ہے، یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں اغنیاء اور فقراء کی یہ درجہ بندی اور تقسیم کیوں ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اسلیے اسلام اپنے احکام و قوانین میں کہیں بھی فطری چیزوں کو مٹانا نہیں چاہتا۔ فطرت اور طبیعت کو جہاں بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جائے گی اس کا انجام انسانی معاشرے کے لیے نقصان دہ ہی ثابت ہوگا۔ معیشت میں لوگوں کے درمیان تفاوت یعنی کسی کا دولت مند ہونا اور کسی کا حاجتمند، کسی کا امیر ہونا اور کسی کا غریب کسی کا غنی ہونا اور کسی کا فقیر یہ تکوینی مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی مصالح کے تحت سورۃ الانعام کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ۔

"(اور وہ (اللہ کریم) وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رتبے دوسرے پر بلند کئے تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں)۔

یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے کہ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار کوئی نادار، اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بتا دی گئی ہے کہ فرقِ مراتب سے مقصود انسانوں کی آزمائش کرنا ہے کہ جس آدمی کو اللہ کریم نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں وہ کہاں تک اپنے مالک کے کہنے اور اس کی مرضی پر ان نعمتوں کو کام میں لاتا ہے اور جسے کسی تکوینی مصلحت کے تحت کوئی چیز کم دی گئی ہے وہ اس پر کہاں تک صابر و شاکر اور قانع رہتا ہے اور کس حد تک حسد کی آگ سے بچا رہتا ہے۔ ہم تکوینی نظام کے مکلف نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے آخری رسول کے عطا کردہ "تشریعی نظام کے مکلف ہیں تشریعی احکام ہی سے ہمیں اللہ کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا ہے۔ اب شریعت میں "درجات معیشت" میں تو فرق کی گنجائش ہے مگر "حق معیشت" میں تفاوت و فرق کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ "حق معیشت" میں مساوات قائم رکھنے کے لیے شریعت نے اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کو بہت سے اختیارات دیے ہیں۔ جن کو بروئے کار لاکر وہ اس مساوات کو قائم رکھے گا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے قیامت تک زمین کو انسانوں کے ذریعے ہی آباد رکھنا ہے۔ دنیا کی اس آبادی، چہل پہل، رنگا رنگی، حسن اور انتظام کے لیے بھی عقلی طور پر لازمی ہے کہ لوگوں کے درمیان رزق اور معیشت کے معاملے میں تفاوت قائم رہے ورنہ اس نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس چیز کی طرف اشارہ قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا[1]

"ہم نے ہی ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے"

ظاہر ہے لوگوں کا رزق میں ایک دوسرے پر تفوق صلاحیتوں اور قابلیتوں میں تفوق و برتری کی مانند ہے۔ جس طرح انسانوں میں بعض پست قد ہیں اور بعض دراز قد، بعض بدصورت ہیں اور بعض خوبصورت، بعض محنتی ہیں اور بعض کام چور و بے کار، بعض کند ذہن ہیں اور بعض زیرک، بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور اسی طرح بعض تنگدست ہیں اور بعض کشادہ رزق اور یہ بات اس دنیاوی زندگی کے مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ارادہ و اختیار کی قوت دے کر اسے ابتلاؤ امتحان میں ڈالا ہے جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں میں رزق کے معاملے میں فرق مراتب ہو۔ المختصر مال کی کمی بیشی کسی ذاتی زوال و کمال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں بندوں کا یہ امتحانی ہے۔ احساس ذمہ داری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان۔ خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصہ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں کا حق ادا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

اس سلسلے میں معروف ہندی محدث علی متقی نے کنز العمال میں ایک بڑی ایمان افروز اور حقیقت نما

---

[1] سورۃ الزخرف: ۳۲

روایت نقل کی ہے کہ

" اللہ کریم حضرت موسیٰ بن عمران کی طرف وحی نازل فرمائی ..... فرمایا اے موسیٰ! میں نے فقیروں اور غریبوں کو (غربت و افلاس میں) اس لیے مجبور نہیں کیا ہے کہ میرا خزانہ ان کے لیے تنگ ہے اور میری رحمت میں ان کے لیے گنجائش نہیں بلکہ یہ چیز اس وجہ سے ہے کہ میں نے مالداروں کے مال میں غربا کے لیے اتنا فرض قرار دیا ہے جو ان کے لیے کافی ہو۔ میں نے ارادہ کیا کہ مالداروں کی آزمائش کروں کہ غریبوں کے لیے ان کے مال میں میں نے جو کچھ واجب کیا ہے اس کے بارے میں ان کی روش کیسی ہے کیونکہ میں نے ان پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اور دنیا میں ان کے لیے کئی گنا اضافہ کیا کم از کم ایک نیکی کا صلہ دس گناہ۔

اے موسیٰ! غریبوں کے لیے خزانہ بن کر کمزور کیلیے مستحکم قلعہ اور پناہ چاہنے والے کیلیے پناہ دینے والے بن کر رہو گے تو ہر سختی میں میں تمہارا ساتھی اور تنہائی میں تمہارا انیس و غمخوار رہوں گا اور ہمیشہ تمہاری نگرانی و حفاظت کروں گا۔"[1]

اسلام میں درجاتِ معیشت کے اندر بعض تکوینی مصالح کے تحت فرق ضرور ہے مگر حق معیشت میں اسلام انصاف مؤاسات، ہمدردی اور غمخواری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے کچھ لوگ تو عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں اور یہ خستہ حالی مفلسی فاقہ کشی اور کپڑوں سے ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے۔ مسلم شریف میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں آپؐ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر

---

[1] علی متقی: کنز العمال: ۳: ۲۹۳ (حدیث نمبر ۴۸۶۱) طبع حیدر آباد ۱۳۱۲ھ

تشریف لے آتے۔ پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ خطبے میں آپ نے سورۃ نساء کی ابتدائی آیت کریمہ اور سورۃ الحشر کی آیت "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب مفلس اور حاجتمند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی چاہیے اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو ایک ہی کپڑا ہو ایک صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور کا ہو اس میں سے صدقہ کرے حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کھڑے ہوئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں کپڑوں اور کھانے کے دو ڈھیر لگ گئے۔ صحابہ کرامؓ کے اس جذبۂ ہمدردی اور مؤاسات کو دیکھ کر دوسرے فقراء کی ضرورت کو اس طرح پورا ہوتے دیکھ کر

رأیت وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتہلل کانہ مذہبۃ[1]

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔

اسلام نے اس چیز کو ایمان کے ہی منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو خوب سیر ہو کر کھالے اور اس کے پڑوس میں رہنے والا رات بھوکے ہی بسر کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

لیس المؤمن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان[2]

"وہ شخص کامل مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا ہو"

یہ انسانی طبیعت اور فطرت ہے کہ ہر آدمی مالی خوشحالی، فارغ البالی اور مکان لباس خوراک

---

[1] مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ ج ۱ ص ۳۲۷ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

[2] مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۴ طبع سعید کمپنی کراچی۔

وغیرہ کے معاملے میں وسعت و فراخی چاہتا ہے۔ اسلام نے ایمان کا ایک اصول اور تقاضا بتایا ہے کہ جو چیز تم اپنے لیے پسند کرتے ہو جب تک وہی چیز دوسروں کے لیے بھی پسند نہیں کرو گے کامل الایمان نہیں کہلاؤ گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ [1]

"تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل ایماندار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے"

قرآن اپنے ماننے والوں کو جا بجا ایثار انفاق اطعام اور ضرورت مندوں پر صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ انصار کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [2]

"اور وہ اپنی ذات کے مقابلے مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر ابرار و مؤمنین کے بارے میں ارشاد ہوا۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا [3]

"اور وہ کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے"

علاوہ ازیں متعدد آیات و احادیث میں غربا و مساکین اور حاجتمندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے۔ اور اس امر کو "دین" کی تکذیب کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے کہ ایک آدمی کسی یتیم و مسکین کی دلجوئی یا حاجت براری کے بجائے اسے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دے اتنا سنگدل اور بیدرد ہو کہ نہ خود انہیں کھلائے اور نہ ہی دوسروں کو اس بات پہ آمادہ کرے۔

---

[1] بخاری شریف کتاب الایمان ج ۱ ص ۶ طبع کرزن پریس دہلی۔

[2] سورۃ الحشر آیت ۹

[3] سورۃ الدھر: ۸

سورۃ الماعون میں ہے :

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝[1]

"بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے ؟ سو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کے لیے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

غرض اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت بھائی چارے ہمدردی غمخواری خیر خواہی اور مؤاسات کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذوی استطاعت اور غربا و امرا میں باہمی تکافل و تعاون اور ہمدردی کی ایسی فضا قائم رہے جس میں غریب و تنگدست کو اپنی غربت و افلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اس کی جملہ ضروریات باحسن طریق پوری ہوتی رہیں اور اس کے دل میں امراء کے خلاف کبھی بھی آتش حسد نہ بھڑکے۔ اور اس طرح معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند باہم مل جل کر پیار و محبت اور اطمینان و سکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کمزور و نادار افراد بھوکے رہیں، اور فقراء و مساکین خورد و نوش اور لباس و رہائش کی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہیں ایک طبقہ عیش و عشرت، تعیشات عیاشیوں فضول خرچیوں اور رنگ رلیوں میں مصروف ہو اسے اپنی زمینوں آمدنیوں اور دولت کا صحیح اندازہ ہی نہ ہو اور دوسرا طبقہ نانِ جوینہ کو ترستا ہو مناسب خوراک لباس اور ضروری تعلیم سے بھی محروم ہو۔ ایک طبقہ کے شکاری کتوں کی خوراک کے لیے دیسی گھی ان کی مالش کے لیے بادام روغن آرام کرنے کے لیے ریشمی رضائیاں اور علاج کے لیے سپیشلسٹ ڈاکٹر ہوں اور دوسری طرف غربا و مساکین اور ان کے لختِ جگر مناسب علاج نہ کرا سکنے، معقول ڈاکٹر سے مشورہ نہ کر سکنے اور دوائی کے لیے اخراجات نہ رکھنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ ایک گروہ کے ہر ہر فرد کے پاس سفری سہولتوں کے لیے

---

[1] سورۃ الماعون ۱ - ۳۔

ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں ہوں اور دوسرے لوگوں کے پاس بائیسکل تک موجود نہ ہو۔ امیر خاندانوں کے لیے میلوں میں پھیلی ہوئی محل نما فلک بوس اور شاندار کوٹھیاں ہوں ان میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر فرد کے لیے تمام ضرورتوں اور آسائش و تعیشات سے پُر علیحدہ علیحدہ کمرہ ہو۔ ڈائننگ روم الگ ہو۔ ٹی وی لان الگ ہو، سٹڈی روم الگ ہو۔ تفریح کے لیے لان پارک اور باغیچے الگ ہوں گیراج میں ہر مکین کے لیے الگ الگ گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوں۔ ان کے باورچی خانوں میں ہر وقت ہر موسم کے مطابق انواع و اقسام رنگا رنگ اور مرغن قسم کے کھانے پینے کے سامان تیار رہوں۔ ان کے اٹیچی اور صندوق طرح طرح کے نفیس سوٹوں اور کپڑوں سے بھرے پڑے ہوں ان کے گھر رات کو بھی دن کا نظارہ پیش کرتے ہوں۔ معاشی دوڑ اور تگ و دو میں ترقی کے لیے قرضے اور دیگر سرکاری مراعات ان ہی کے لیے ہوں اور ان کے مقابلے میں انہی کے شہر میں انہی کے محلے میں انہی کی بستی میں اور انہی کے ملک میں بیشمار ایسے لوگ خاندان اور گھرانے موجود ہوں جن میں دس بارہ افراد پر مشتمل خاندان کے سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی تک نہ ہو۔ اور اگر کسی گھرانے کے لیے "تین مرلہ" یا "پانچ مرلہ" اسکیم کے ایرے میں کوئی چھوٹا موٹا اور ٹوٹا پھوٹا مکان ہو تو ایک ایک کمرے میں ماں باپ بچے اور شادی شدہ نوجوان میاں بیوی اکٹھے رہنے پر مجبور ہوں۔ جون جولائی کی گرمی اور تپش میں جب سارا دن محنت مزدوری کر کے اور سرمایہ داروں کی فیکٹریوں اور جاگیرداروں کی زمینوں میں بے گار کا خون پسینہ دے کر شام کو واپس تھکے ماندے لوٹیں تو پینے کے لیے فریجوں کی برف اور خوشذائقہ مشروبات تو کجا ٹھنڈا اور صاف پانی بھی مہیا نہ ہو۔ مرغ پلاؤ گوشت بریانی تو بہت دور کی چیزیں ہیں انہیں روکھی سوکھی دال روٹی بھی صحیح مقدار اور مناسب معیار میں مہیا نہ ہو۔ ان کے نونہالوں کی قسمت میں علم کے حصول کی بجائے بڑوں کے جوتے تازہ کرنا اور زندگی بھر جھڑکیں کھا کھا کر اور گالیاں سُن سُن کر مفت میں خدمت کرنا ہو ان کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کوئی ڈھب کا لباس نہ ہو۔ سردیوں سے بچنے کے لیے ان کے لیے صرف "لنڈا بازار" رہ گیا ہو۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور عزت کی روٹی کمانے کے لیے انکے واسطے سرکاری طور پر کوئی قرضہ اور رعایت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال کم از کم ایک اسلامی معاشرے میں اس چیز کی کوئی گنجائش اور جواز نہیں کہ صورتِ حال کچھ یوں ہو ؎

ہے اِدھر بھی آدمی ، ہے اُدھر بھی آدمی
اِس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرے پر نہیں

فقراء کا حق اسلام نے اگرچہ جگہ جگہ اور بار بار اہل ثروت اور دولتمند حضرات کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی ہے۔ انہیں فقراء ومساکین، یتامیٰ، بیوگان اور ناداروکمزور لوگوں کی امداد اور فلاح وبہبود پر ابھارا ہے ان کے ساتھ مالی تعاون کی ترغیب اور شوق دلایا ہے اور اس امداد وتعاون اور کارِ خیر پر دنیا وآخرت میں بہترین صلے کا وعدہ فرمایا ہے ترغیبی اور تحریصی ہدایات سے قرآن وسنت بھرے پڑے ہیں اور اسلام نے زیادہ تر اس مقصد کو انہی ترغیبی ہدایات اور اختیاری احکام کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی ہے تاہم جس ذات نے اسلام کو بطور دین انسانوں کے لیے پسند کیا ہے وہ انسان کی خالق ہے اور وہ انسان کی نفسیات اور طبیعت و فطرت سے بھی واقف ہے کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ (سورۃ المعارج : ۱۹ - ۲۱)

"بلاشبہ انسان بے ہمت اور لالچی وبخیل پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے"

دوسری جگہ فرمایا :

وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۔ (سورۃ النساء : ۱۲۸)

"اور انسانی طبیعتوں میں بخل رکھ دیا گیا ہے"

اس لیے اس نے صرف ترغیب وتحریص پر اکتفا نہیں کیا اور محض انفرادی واختیاری صدقہ و احسان پر انحصار کر کے معاشرے کے تنگ دست، مجبور، محروم المعیشت، زندگی کی دوڑ میں کسی طرح پیچھے رہ جانے والے اپاہجوں کمزوروں اور نادار افراد کو اہل ثروت کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا بلکہ ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اہل ثروت کے مالوں میں قانونی طور پر غربا کی مالی اعانت کے لیے کچھ لازمی حقوق رکھے ہیں۔ اور اللہ کے نائب یعنی خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ اہل ثروت اگر از خود ان حقوق کو ادا نہیں کر رہے تو ان کی ادائیگی پر انہیں قانوناً مجبور کرے۔

اصحاب ثروت لوگوں کے اموال میں واجبی اور لازمی حقوق میں سب سے بڑا اہم اور ضروری حق "زکوۃ" ہے جسے نبی اکرمؐ نے اسلام کا ایک "بنیادی رکن" قرار دیا ہے۔ جسے تسلیم کئے بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا جسے ہر قیمت پر وصول کیا جاتا ہے۔ اور جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں آخرت کے دردناک اور دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے فقراء و مساکین کی تنگدستی اور محتاجی کا ایسے باعزت طریقے سے علاج کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ زکوۃ کے ہشتگانہ مصارف میں فقراء و مساکین کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ بعض مقامات پر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کا مصرف ہی یہ بتایا ہے کہ اسے فقراء و مساکین پر خرچ کیا جائے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا:

تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم [1]

"یہ زکوۃ ان (اہل یمن) کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور وہاں کے فقراء پر خرچ کر دی جائے گی"

نقد روپیہ مال تجارت سونا چاندی زرعی پیداوار اور مویشی پر سال میں ایک دفعہ مقررہ شرح سے زکوۃ کے علاوہ ایک دوسری قسم کی زکوۃ بھی ہے جو افراد اور اشخاص پر لگتی ہے اسے زکوۃ فطر یا فطرانہ کہتے ہیں۔ یہ واجب زکوۃ اختتام رمضان اور عید الفطر کے آنے پر عائد ہوتی ہے۔ صدقۃ الفطر کے واجب کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے مساکین کے کھانے پینے اور انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کا اہتمام کیا جا سکے [2]

علاوہ ازیں غرباء و مساکین ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی مالی اعانت کے لیے اسلام نے اور بھی کئی ایک واجبی اور لازمی شکلیں متعین کی ہیں مثلاً قسم توڑنے کی کفارے کی ایک شکل ہے۔

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ ۔ (سورۃ المائدہ ۵ : ۸۹)

---

[1] صحیح بخاری شریف کتاب الزکوۃ ج ۱ ص ۲۰۳ طبع کرزن پریس دہلی۔

[2] مشکوۃ المصابیح باب صدقۃ الفطر ص ۱۶۰ طبع سعید کمپنی کراچی۔

"سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا"

اسی طرح ظہار کے کفارے اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا کے طور پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مناسک حج کے دوران بعض کوتاہیوں پر "دم" کے نام سے مالی جرمانے اور عید الاضحیٰ کے دن اصحاب ثروت پر قربانی کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ وفینوں اور مال غنیمت میں خمس، مال فی اور غیر مسلم رعایا پر جذیہ اور خراج وغیرہ سب غربا کی مالی اعانت کے ذریعے ہیں ان تمام چیزوں کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل تو ہمارے موضوع سے خارج ہیں تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ ان تمام شرعی احکام سے مقصود غربا و مساکین کی مالی حالت کو سدھارنا، بہتر بنانا اور معاشرے میں انہیں ایک باعزت مقام دلوانا ہے۔ اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ بالا ذرائع آمدن کو بروئے کار لا کر غربا و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معقول گزران اور بسر اوقات کا انتظام کرے۔ ان کے لیے مناسب کھانے پینے رہائش لباس علاج معالجے اور ضروری تعلیم کا بندوبست کرے۔ اور اس کی حدود کے اندر بسنے والا انسان تو کجا کوئی ذی روح اور جاندار بھی بھوکا نہ مرے۔ اسلام کے نامور اور مایہ ناز خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت کے معاشی مقاصد کو اپنے ایک مختصر قول میں جس عمدگی سے واضح کیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:

لو مات جمل جیاعا علی شط الفرات لخشیت ان یسألنی اللہ عنہ[1]

"اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بھی بھوکا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلبی کرے گا"

زکوٰۃ کے علاوہ حق مندرجہ بالا تمام لازمی اور واجبی ذرائع و وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود بھی اگر معاشرے کے ضرورتمند اور مفلوک الحال لوگوں کی ضرورتیں پوری

---

[1] ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ: ۳: ۳۱۱ طبع بیروت ۱۹۵۷ء

نہ ہو رہی ہوں تو اسلام اس بات کو جائز قرار دیتا ہے اور اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اصحابِ ثروت کے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائے جائیں۔ کیونکہ مال میں صرف "زکوٰۃ" ہی لازم نہیں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ سورۃ الذاریات میں متقین کے اوصاف اور مدح بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات: ۱۹)

"اور ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا حق رہتا ہے"

اس آیت کے ماتحت امام رازی، قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہاں حق سے مراد "زکوٰۃ" نہیں بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے جس پر ان کی مدح و ثنا کی جا رہی ہے ورنہ "زکوٰۃ" تو کوئی امتیازی وصف نہیں یہ تو سارے مسلمان دیتے ہی ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی مالدار آدمی پر مزید انفاقِ مال کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی صراحت فرما دی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ آنجناب علیہ التحیۃ والتسلیم سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ [1]

"بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے"

اس کے بعد بطور استدلال آپ نے سورۃ البقرہ کی آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الخ (آیت: ۱۷۷) تلاوت فرمائی۔ کیونکہ اس آیت میں "وَاٰتَى الزَّكٰوةَ" کا عطف "اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ" پر ہے اور ظاہر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمیشہ مغائرت ہوا کرتی ہے۔ دوسرے اس آیت میں پہلے خویش و اقارب یتامیٰ اور مساکین کو مال عطا کرنے کو نیکی کہا گیا ہے اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے جو بجائے خود نیکی اور تقویٰ کے عناصر و ارکان ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خویش و اقارب اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنا زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

---

[1] ترمذی شریف ابواب الزکوٰۃ ص ۱۱۹ طبع نور محمد کراچی

مزید انفاق کی حدود

رہا یہ سوال کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اہل ثروت پر مزید انفاق کی کیا حدود ہیں؟ تو اس سلسلے میں قرآن نے اصول یہ بتایا ہے کہ مزید انفاق کا تعلق ذاتی املاک و اموال کے صرف اسی حصے سے ہے جو انسان کی اپنی، اپنے اہل عیال اور اپنے زیر کفالت لوگوں کی ضروریات سے فاضل ہو۔ شریعت کے کسی حکم میں تنگی نہیں تکلیف مالا یطاق اسلام کا مزاج ہی نہیں۔ کوئی آدمی اس بات کا قطعاً مکلف نہیں کہ وہ اپنے بال بچوں اور اپنے زیر کفالت لوگوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر اور انہیں بھک منگا بنا کر دوسرے اہل حاجت کی حاجت روائی اور صدقہ و خیرات میں مصروف ہو اور خود در بدر بھیک مانگتا پھرے۔ یہ حوصلہ ہر انسان کا نہیں ہو سکتا ہے۔ عام اصول یہ ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ط (سورۃ البقرۃ: ۲۱۹)

"اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ فرما دیں کہ جو کچھ (تمہاری اپنی ضروریات سے) فاضل ہو۔"

اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے تاہم کئی علماء کا کہنا ہے کہ

هي محكمة وفي المال حق سوى الزكوٰة [1]

یعنی یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس کا ثبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

امام ابو عبید القاسم بن سلام جنہیں اسلامی معاشیات اور مالیات میں ایک سند کا درجہ حاصل ہے، نے بھی کتاب الاموال حصہ دوم اردو ترجمہ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے صفحہ نمبر ۹۳ تا نمبر ۹۶ میں آیات و احادیث فقہاء صحابہ اور فقہاء تابعین کے حوالے سے اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ امراء کے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرباء کے حقوق ہیں تفصیل اور مزید اطمینان کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

علمی دنیا کی ایک اور معروف اور نامور شخصیت علامہ یوسف القرضاوی نے امام رازی

---

[1] القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۳: ۶۱-۶۲ طبع قاہرہ

کے حوالے سے اغنیاء کے فاضل اموال میں فقراء کے حق کا کیا تعلق ہے اور کیوں ہے؟ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں۔

"پہلی بات یہ ہے کہ کسی انسان کو اگر بقدرِ ضرورت مال مل جائے تو وہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اسے اپنے قبضے میں رکھے، کیونکہ دوسرے ضرورت مندوں کی طرح اسے بھی مال کی ضرورت ہے اور اس صورت میں صاحبِ مال کا حق دوسروں پر مقدم ہے۔ البتہ جب مال اس کی ضرورت سے زائد ہو اور کوئی دوسرا حاجتمند انسان بھی موجود ہو، تو یہاں دو اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ جہاں تک مال کے مالک کا تعلق ہے اس نے حصولِ مال میں چونکہ محنت و کوشش کی ہے اس لیے اس کا اپنے مال کے ساتھ ایک ولی تعلق ہے اور جہاں تک غریب و محتاج کا تعلق ہے، اسے چونکہ مال کی ضرورت ہے اس لیے وہ بھی مال کے ساتھ ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ جب یہ دو متضاد اسباب اکٹھے ہو جائیں تو پھر حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں اسباب میں ہر سبب کا امکان بھر لحاظ رکھا جائے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ مالک کو چونکہ اپنے مال پر حقِ اکتساب اور ولی تعلق کا حق حاصل ہے اور فقیر بے نوا کو صرف حقِ احتیاج، لہٰذا ہم مالک کے حق کو اس حد تک ترجیح دیں گے کہ اسے مال کے بیشتر حصے پر قابض رہنے دیں گے اور غریب کو اس میں سے ایک حصہ دلوائیں گے تاکہ دونوں کو تا حدِ امکان مطمئن کیا جا سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار اپنی اصلی ضروریات سے زیادہ مال کو روکے رکھے اور مال جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس سے پورا نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح سے اللہ کی حکمت تکوینی کو ظہور پذیر ہونے سے روکنے کی کوشش ہوگی جو بالکل جائز نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ یہ حکمتِ الٰہی معطل نہ ہو کر رہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقراء و مساکین اللہ کا کنبہ ہیں اور امراء و اغنیاء اللہ کے خزانچی ہیں کیونکہ ان کے پاس جو مال ہے وہ سب اللہ کا ہے اور یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ کوئی مالک اپنے خزانچی سے کہے کہ میرے خزانے میں سے کچھ مال میرے کنبے کے

غربا و مساکین کو دے دے[1]

اپنی اصل ضرورت سے زائد مال میں غربا و مساکین کے "حق" کے پائے جانے کے بارے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا نے ایک عقلی اور منطقی دلیل دی ہے۔ یہ دلیل بھی انتہائی قابلِ توجہ ہے، فرماتے ہیں:

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان " خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا " تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہے اور کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں۔ بلکہ ہر شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تلک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء و صلحا اس سے بغایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہرکیف غیر مناسب و خلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجۃ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک " من وجہ " اس میں موجود تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال بعینہٖ مال غنیمت کا سا تصوّر کرنا چاہیے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت وحصول انتفاع " بقدر حاجت " ہر کوئی

---

[1] مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام (اردو ترجمہ) ص ۸۲ طبع البدر پبلیکیشنز لاہور

مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا)"[1]

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ :

بینما نحن فی سفر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل علی راحلۃ لہٗ قال فجعل تصرف بصرہٗ یمینًا وشمالا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان معہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر لہٗ ومن کان لہٗ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہٗ قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رأینا انہ لا حق لاحد منا فی فضل[2]

"ایک دفعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر سوار آپؐ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرمؐ نے اس کی اس احتیاج کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زاد راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں"۔

یہ روایت سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ اس روایت میں " فلیعد بہ "کے الفاظ بڑے قابل غور

---

[1] مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی : اسلام کا اقتصادی نظام : ۴۲۰-۴۳ مطبوعہ دہلی (بحوالہ ایضاح الادلہ ۲۶۸)

[2] صحیح مسلم (کتاب اللقطہ) ج ۲ ص ۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

اور معنی خیز معلوم ہوتے ہیں۔ "فلیعط بہ" یا فلیؤت نہیں فرمایا کہ فاضل سواری یا فاضل توشہ کو اس آدمی کو "عطا" کر دو جس کے پاس سواری یا توشہ نہیں بلکہ "فلیعد بہ" کے الفاظ سے حکم دیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ فاضل چیز کو "لوٹا دے" اور کسی شے کو کسی کی طرف "لوٹانے" کا مطلب یہی ہے کہ وہ چیز اسی آدمی کے پاس سے آئی ہوئی تھی۔

یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ فرد کی ضرورت سے زائد مال پر بقدر ضرورت غربا و مساکین کا حق شرعاً ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے قول و عمل سے اسی بات کو ترجیح دی ہے اور یہی بات پسند فرمائی ہے کہ مشکل تکالیف تنگی اور عام افلاس میں افراد کو یہ بھول جانا چاہیے کہ ان کے پاس جو زائد از ضرورت مال ہے وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے اور باہم تعاون اور مؤاسات کے ذریعے اللہ کی مخلوق اور اپنے بھائی بندوں کو اس مصیبت اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے کی صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی ایثار و مؤاسات اور ان کے عام معمول کی ایک مثال دیتے ہوئے ان کے عمل کو اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔ فرمایا:

ان الاشعریین اذا ارملوا فی الغزو او قل طعام عیالهم بالمدینة جمعوا ما کان عندهم فی ثوب واحد ثم اقتسموا بینهم فی اناء واحد بالسویة فهم منی وانا منهم[1]

"بے شک اشعری قبیلے کے لوگوں کا جب سفر جہاد میں توشہ ختم ہو جاتا ہے یا مدینہ منورہ میں ان کے اہل و عیال کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس (مجموعی طور پر) جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں پھر اسے ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں لہٰذا وہ لوگ مجھ سے ہیں (یا میرے ہیں) اور میں ان میں سے ہوں (ان کا یہ عمل میرا عمل ہے)"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریات زندگی یا

---

[1] بخاری شریف (کتاب الشرکہ) ج ۱ ص ۳۳۸ طبع کرزن پریس دہلی

قوتِ لایموت جس پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے، کی فراہمی میں مساوات ہی کو پسند فرمایا ہے اور یوں حق معیشت میں اغنیاء اور محروم المعیشت لوگوں کے برابر ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ معروف جدید شاعر احمد شوقی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس غریب پرور پالیسی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

انصفت اهل الفقر من اهل الغنى　　فالكل فى حق الحياة سواء

فلو ان انسانا تخير ملة　　ما اختار الا دينك الفقراء

الاشتراكيّون وانت امامهم　　لولا دعاوى القوم والعلواء

"اے نبی محتشم! آپ نے غریبوں کو اہل ثروت سے پورا پورا انصاف کر کے ان کا حق دلوایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ سارے انسان (غرباء و امراء) حق زندگی میں برابر ہیں۔ حق معیشت میں ان کے درمیان کی تفاوت نہیں۔

۲۔ اگر کوئی آدمی اپنی مرضی سے کسی دین کو اختیار کرے تو یہ بات یقینی ہے کہ کم از کم فقیر لوگ تو آپ کے دین ہی کو اختیار کریں گے۔

۳۔ اشتراکی اور سوشلسٹ لوگ اگر بے جا دعوے نہ کریں اور اپنے فلسفے میں غلو سے کام نہ لیں تو آپ ان کے امام ہیں"

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب استطاعت مہاجرین و انصار کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ جن لوگوں کے پاس مال نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قریبی عزیز ہے تو وہ کہاں جائیں ؟ فرشتے تو ان کی ضروریات کا انتظام نہیں کریں گے وہ تمہارے مسلمان بھائی ہیں لہذا ان بے سہارا لوگوں کی امداد کرو۔ انہیں اپنے ساتھ ملاؤ اور اس طرح ان کی تنگدستی اور مفلوک الحالی کا علاج کرو۔ امام غزالی کی" الاسلام والمناہج الاشتراکیۃ "کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے :

عن جابر بن عبد الله انه قال النبى صلى الله عليه وسلم: يا معشر المهاجرين والانصار ان من اخوانكم من ليس له مال ولا عشيرة فليضم احدكم اليه الرجلين

والثلاثة قال جابر فضممت الی اثنین او ثلاثة ومالی الا عقبة کعقبة احدھم من جملی [1]

"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے مہاجرین و انصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے (کہ ان کی نگہداشت کرے لہذا تمہیں چاہیے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ

ان اصحاب الصفة کانوا ناسا فقراء وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان عندہ طعام اثنین فلیذھب بثالث ومن کان عندہ طعام اربعة فلیذھب بخامس او سادس [2]

"اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عادلانہ، منصفانہ اور ہمدردانہ پالیسی پر بوقت ضرورت صحابہ کرام نے بھی عمل کیا۔ یعنی جب کچھ لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد تھا اور بعض ایسے تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو ایسے حالات میں پیش آمدہ مشکل اور تنگی سے نکالنے کے لیے فاضل سامان یا خوراک میں

---

[1] ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت: ۲: ۲۲۷ طبع اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۶۸ء

[2] ابن حزم: المحلّٰی جلد ۳: ص ۴۵۴ مسئلہ ۷۲۵ طبع مصر

سب برابر کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا یہ لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا اور میں (جابر بن عبداللہ) بھی ان میں شامل تھا۔ ہم مدینہ منورہ سے چل پڑے راستے میں ایک جگہ ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکریوں میں سے جس کے پاس جو کچھ زادِ راہ تھا لے کر جمع کر لیا تو یہ کھجور کے دو تھیلے بن گئے۔ آپ ہمیں تھوڑا تھوڑا کر کے روزانہ کھانے کو دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اس دوران ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملا کرتی تھی ..... [1]

زمانۂ قحط میں امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ سال تک اگر قحط سالی ختم نہ ہوئی تو ہر کھاتے پیتے گھرانے میں ان کی تعداد کے برابر مزید مفلوک الحال اور قحط کے شکار افراد کو داخل کر دیں گے تاکہ سب لوگ ہلاکت سے بچ جائیں [2] یہ الگ بات ہے کہ اللہ کریم نے کرم فرمایا اور قحط سالی دور ہو گئی اور سیدنا فاروق اعظم کو اپنے اس پختہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت پیش نہ آئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اور قول ابن حزم نے یوں لکھا ہے!

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین [3]

"جس بات کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے اگر اس کا اندازہ پہلے سے ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین پر تقسیم کر دیتا۔

اغنیاء کے اموال میں فقراء کا کتنا حق ہے؟ اور کتنا ضروری ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر کتنی وعید ہے؟ اس کا اندازہ باب العلم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان

---

[1] بخاری شریف (کتاب الشرکۃ) ج ۱ ص ۳۳۷ طبع کمزن پریس دہلی

[2] ابن سعد: الطبقات الکبری: ۳: ۳۱۶ - ۳۱۷ طبع بیروت ۱۳۷۷ھ

[3] ابن حزم: المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ (مسئلہ ۷۲۵) طبع مصر۔

سے لگایا جا سکتا ہے کہ

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیامۃ ویعذبھم علیہ [1]

اللہ تعالیٰ نے اہل دولت پر ان کے اموال میں ان کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر فقیر لوگ بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوں گے تو اس لیے ہوں گے کہ اغنیاء نے ان کے حق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان (امراء) کا محاسبہ کرے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔

اندلس کے مشہور محدث و فقیہ ابو محمد بن حزم نے "المحلی" میں مسئلہ نمبر ۷۲۵ کے تحت آیات احادیث اور آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے اغنیاء کے اموال میں فقراء کے حق اور غرباء کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، کے بارے میں جو حتمی فیصلہ یا فتویٰ دیا ہے وہ قابلِ دید ہے فرماتے ہیں۔

وفرض علی الاغنیاء من اھل کل بلد ان یقوموا بفقرائھم ویجبرھم السلطان علی ذالک ان لم تقم الزکوات بھم ولا فیٔ سائر اموال المسلمین بھم فیقام لھم بما یأکلون من القوتِ الذی لا بد منہ ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک وبمسکن یکنھم من المطر والصیف والشمس وعیون المارۃ [2]

"اگر کسی علاقے کی زکوٰۃ اور مسلمانوں کے اموال فی سے وہاں کے فقراء کی ضروریات

---

[1] ابن حزم: المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ (مسئلہ نمبر ۷۲۵) طبع مصر

[2] ابن حزم: المحلی جلد ۳ ص ۴۵۲ طبع مصر

زندگی پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس علاقے کے اغنیاء پر فرض ہے کہ وہ فقراء و مساکین کی کفالت کا انتظام کریں اور اگر وہ از خود ایسا نہیں کرتے تو بادشاہِ وقت انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ لہٰذا فقراء و مساکین کے لیے اتنی خوراک جس کے بغیر چارہ کار نہیں، اتنا لباس جو انہیں سردی و گرمی سے بچا سکے اور اس قدر مکان جو ان کی بارش گرمی، دھوپ اور سیلاب سے حفاظت کر سکے۔ کا انتظام ہر قیمت پر کیا جائے گا۔

اس کے بعد ابن حزم نے مصری خط کے تقریباً چار صفحات پر مشتمل قرآن و حدیث اقوال صحابہ پر مبنی بڑا جاندار استدلال کیا ہے۔ مزید تفصیلی و تحقیق کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جائے۔

مندرجہ بالا تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے اہل ثروت اور غنی لوگوں کے اموال میں فقراء و مساکین، ضرورت مندوں۔ حاجت مندوں، بیوگان، یتامیٰ، اپاہجوں۔ مفلوک الحال محروم المعیشت تنگدست اور فقر و فاقہ میں مبتلا انسانوں کے بہت سے واجبی اور رضا کارانہ حقوق رکھے ہیں اور "حق" وہ چیز ہے جس کا قانوناً مطالبہ کیا جا سکتا ہے اللہ کریم جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اس نے ہر جاندار کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ اس ذمہ داری کو اپنے نائب اور خلیفہ کے ذریعہ پورا کرانا چاہتا ہے جس معاشرے میں معاشی توازن اور اعتدال نہیں۔ جہاں کچھ لوگ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے ہی محروم ہوں۔ جہاں بعض لوگوں کے پاس رمق حیات باقی رکھنے کے لیے ضروری خورد و نوش کا سامان نہ ہو تو ظاہر ہے وہاں کے اہل دولت لوگ (جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول ابن حزم کے حوالے سے اوپر گزرا) غرباء کا حق تلفی کر رہے ہیں ورنہ ایسی صورت حال پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمارے ملک جسے اسلام کے نام پہ حاصل کیا گیا تھا، کے اندر جو معاشی ناہمواری۔ ناانصافی عدم توازن اور عدم اعتدال نظر آتا ہے اس کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں کے وڈیرے سرمایہ دار جاگیردار زمیندار صنعت کار اور بڑے بڑے کاروباری لوگوں پر غربا و مساکین اور بے سہارا لوگوں کی کفالت کے لیے اضافی ٹیکس تو کجا وہ زکوٰۃ نہ دیں تو بھی ان کی گرفت کے لیے حکومت کے پاس کوئی قانون نہیں۔ بنکوں میں ان حضرات کے کھاتے عموماً "کرنٹ اکاؤنٹ" میں ہوتے ہیں اور "کرنٹ اکاونٹ" میں جمع اربوں کھربوں رقم سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی۔ لے دے کے "سیونگ اکاؤنٹ"

کے کھاتوں سے ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کاجاتی ہے مگر ان کھاتوں سے بھی یکم رمضان سے قبل ہی اکثر لوگ زکوٰۃ سے بچنے کی خاطر پیسہ نکلوا لیتے ہیں۔ جہاں اہل ثروت ازخود پوری پوری زکوٰۃ نہ دیتے ہوں اور نہ ہی حکومت کے پاس وصولی کا کوئی قانون ہو جہاں کے سرمایہ دار غریب مزدوروں کے خون پسینہ کی راہ سے کمائی ہوئی دولت کو بیرون ملک منتقل کر دیتے ہوں جس پر نہ کوئی زکوٰۃ اور نہ کوئی دیگر ٹیکس بلکہ سود کی شکل میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا رہتا ہو۔ پھر باہر سے امداد کے نام پر جو پیسہ آتا ہو اس کا بڑا حصہ بھی اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے قرضوں کے نام پر یہی سرمایہ دار لے لیتے ہوں اور بعد میں بلیک میلنگ کے ذریعے معاف بھی کرا لیتے ہوں تو وہاں امیر امیر تر اور غریب غریب تر کیوں نہیں ہوگا۔ وہاں سے غربت و افلاس کا خاتمہ کیسے کیا جائے گا؟

ع این خیال است و محال است و جنوں

اللہ کرے ہماری حکومتوں کو اس طرف توجہ ہو اور وہ شریعت کے مطابق ملک کے معاشی نظام کو استوار کریں۔ شریعت یہی چاہتی ہے کہ درجات معیشت میں تفاوت کے باوجود جو معیشت میں مساوات رہے۔ امراء و غرباء میں باہمی ہمدردی خیر خواہی غمخواری، ایثار اور تکافل و تعاون کی ایسی فضا قائم ہو کہ اسلامی حکومت میں بسنے والا کوئی انسان بغیر کسی تخصیص کے بھوکا پیاسا اور محتاج نہ رہے۔ کوئی آدمی ایسے فقر و تنگدستی اور قلت سے دوچار نہ ہو جس سے بعض اوقات انسان "احسن تقویم" سے گر کر "اسفل سافلین" میں جا پڑتا ہے جو تہذیبی تمدنی معاشرتی اور اخلاقی گراوٹ کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر شریعت کے مطلوبہ اوصاف اور خوبیاں پیدا نہیں ہو سکتیں جو انسان کو بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے اور جس سے خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عالی ہمت ذات نے پناہ مانگی ہے۔

بہرحال شریعت کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ؎

نکتہ شرع مبیں این است و بس
در جہاں محتاج باشد نہ کس